فقہ اسلامی میں راشد شاز کے ماڈرن رجحانات کا جائزہ

A Review of Rashid Shaz's Modern Trends in Islamic Jurisprudence

Dr. Haq Nawaz
Alumni, Department of Islamic Thought and Civilization
University of Management and Technology, Lahore
Email: drhaqnawaaz@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0001-9925-9658

Dr Abbas Ali Raza
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
Lahore Garrison University Lahore
Email: abbasaliraza@lgu.edu.pk

Hafiz Liaqat Ali
PhD Scholar, Institute of Islamic Studies
University of the Punjab
Email: liaqut123@gmail.com

Abstract

Rashid Shaz is a resident of India and belongs to a religious family. Islamic jurisprudence and other Shariah sciences have their own particular view. According to Rashid Shaz, the four principles were initiated by the Mu'tazila and the jurists adopted them. He denies all sources except the Qur'an.The meaning of Sunnah, Ijmaa, Qiyas, all have changed in history. Similarly, other terms are also controversial.The Ummah's acceptance of Islamic jurisprudence has become the main reason for its downfall. Even during the time of the Prophet, the only source was the Qur'an, which was used to solve problems. Even during the time of the Prophet, the Qur'an followed It was necessary. Now our situation is that we have left the universal concept of life and started following human beings.Everyone has made their own identity. According to him, Muslims lack self-confidence at this time. The doors of the scientific times have been closed on themselves. Today, the Ummah has accepted that the first people of the Ummah considered And all the work of thought has been done. The solution of the problem is that all the jurisprudential religions should be rejected and the Qur'an should be interpreted anew according to the modern conditions. Shaz completely denies the validity of hadith. According to him, the traditions attributed to the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) would have been lost if they were not supported by the jurisprudence.The solution to this problem is to reject all religious jurisprudence and re-interpret the Qur'an according to modern conditions.Every jurisprudence is against the other jurisprudence. While there are many sayings of the same imam. The trend of Rashid Shahz is very clear that he declares jurisprudence against religion. According to him, leave the hard work of the jurists for centuries and solve the problems with the words of the Quran. While the reality is that the Ummah cannot afford the ideas of Shaz. It is a terrible dream that the entire ummah should be misled except for oneself.

Keywords: Quran, sunnat, Ijtihad, Effort, ancient, contemporary, jurists, Sharia, present era, modren trends, Rashid shaz

تجد د پسندی اور ماڈرن ازم کو فکری اعتبار سے معتزلہ کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے بظاہر قرآن و سنت کو قبول کیا۔ مگر تعبیرات میں عقل و تاویل کے ایسے پیمانے سیٹ کیے کہ جو اسلام کی اصل روح کے منافی نظر آتے ہیں۔ اس طبقہ نے قرآن پاک کی تعبیر اول 'حدیث و سنت' کی مسلمہ اہمیت کا زبانِ حال یا با زبانِ مقال سے انکار کیا۔ حالانکہ حضور ﷺ کی ذات گرامی آخری نبی ورسول ہونے کی وجہ سے قیامت تک ہدایت کا مستندترین حوالہ ہے۔ اگر کسی کا اسلام حضوراکرم ﷺ کی سنن کے متعارض نظر آئے اور حضور ﷺ کو چھوڑ کر زمانے کی اتباع کرتا نظر آئے تو وہ شخص اپنے دعوی میں سچا ہر گز نہیں ہو سکتا۔ بعد ازاں فقہاء کے قائم کردہ فقہ و اجتہاد کے اصول کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے سامنے آنے والی سب سے بڑی رکاوٹ فقہ اور قدیم اصول اجتہاد کو مشکوک ثابت کرنے کی کوشش کی۔[1] پھر اس نظریہ کے حامل افراد آپس میں بھی ایک پیج پر نظر نہیں آتے۔ اس عنوان کے تحت آنے والی ایک شخصیت کا نام راشد شاز ہے۔ جنہوں نے نئے پیش آمدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے جدت پسندی اور ماڈرن ازم کا مظاہرہ کیا۔ اس مضمون میں انکے رجحانات کا جائزہ لیا جائے گا۔

راشد شاز شمال بھارت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے والد محمد حسنین جماعت اسلامی کے بانیوں میں سے ہیں۔ یہ اسلام اور فقہ اسلامی کے حوالے سے ماڈرن نظریہ کے حامل ہیں۔ کتب کثیرہ کے مصنف ہیں۔ فقہ اسلامی اور دیگر علوم شرعیہ کے حوالہ سے اپنا مخصوص نظریہ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے روایتی مکاتب فکر کے علماء ان کے نظریات کی وجہ سے ان سے شدید اختلاف رکھتے ہیں۔

اصول اربعہ کی ابتداء

راشد شاز کے مطابق اصول اربعہ واصل بن عطاء کے جاری کردہ ہے جو کہ معتزلی ہے۔ رفتہ رفتہ اسی منہج کو فقہاء نے اختیار کر لیا اور پھر ایسا شہرہ ہوا کہ بعد کے ایام میں جب باقاعدہ اصول فقہ پر کتابیں لکھی گئیں تو مصنفین کو اس بات کا کم خیال آیا کہ وہ قرآن مجید کے علاوہ تینوں ماخذ وحی ربانی کے بجائے دانش انسانی سے ظہور پزیر ہوئے۔ پھر یہ بات بھی یاد رکھیں کہ سنت کا مفہوم تاریخ میں تغیر پذیر رہا ہے۔ رہا اجماع تو کسی معاملہ پر اجماع کرنا کسی مغالطہ سے کم نہیں ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا کہ پچھلے کا اجماع اگلوں کے لئے حق کی کسوٹی نہیں بن سکتا۔ رہی دیگر اصطلاحات مثلا اجتہاد استحسان مصالح مرسلہ وغیرہ ان متنازع ہونا تو بالکل واضح ہے۔ جب کہ فقہی کاوشوں میں کئی بار وحی ربانی کو روایات کے تابع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہیں اجماع کا مفروضہ نہ لگا کر راست اکتساب پر روک لگا دی گئی ہے۔[2]

ائمہ اربعہ فقہ بمقالہ وحی

کہتے ہیں ائمہ اربعہ کا عقیدہ خالصتاً تاریخ کی پیداوار ہے۔ ایک ایسی جبری تاریخ ہے جو امت کے زوال کا سبب ہے فقہ کو استنباطی وحی کی حیثیت حاصل ہو جانے کے بعد لوگ مجبور ہیں کسی فقہ کا سہارا لینے پر۔[3]

حالانکہ ایسا کسی فقیہ نے نہ ان کے پیروکاروں نے کہیں کہا کہ ان کے امام کی رائے وحی کا درجہ اختیار کر گئی۔ جبکہ ہر مکتبہ فکر کے لوگ تمام ائمہ کو حق پر مانتے ہیں۔ کبھی احناف نے شوافع، مالکیہ یا حنابلہ پر ان کے مکتبہ فکر کو بنیاد بنا کر تکفیر نہیں کی۔ راشد شاز عہد رسالت میں بھی حدیث کو ماخذ ماننے کو تیار نہیں۔ کہتے ہیں کہ عہد رسالت میں بھی شرع کا واحد ماخذ صرف قرآن تھا۔ تمام تر مسائل انفرادی ہوں یا اجتماعی اسی کتاب سے حل ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اتباع لازم تھی۔

یہ بات خود قرآن پاک کی واضح نصوص کے خلاف ہے جبکہ کئی مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو مستند قرار دیا گیا۔

وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰیؕ۔اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیۙ ۔[4]

وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

اپنے جیسے انسانوں کی پیروی پر قناعت

شاز کے مطابق بڑی تحریکیں بھی اجتہادی اعتبار سے جمود کو توڑنے میں ناکام رہیں۔ یہ نہیں کہ کوشش نہیں ہوتی بلکہ تمام کوششیں مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکیں۔ سید قطب مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی اپنی تفاسیر کے ذریعے پوری دنیا کے مسلمانوں کو کو متاثر ضرور کیا مگر یہ تحریکیں لوگوں کو تقلید حنفی اور شافعی سے نہ نکال سکیں۔ عام آدمی تو کیا50، 50 سال اس کی شعبہ سے وابستہ رہنے والے بھی تقلید محض پر مجبور ہیں۔ وہ بھی قرآن پاک سے براہ راست اکتساب سے گریز کئے ہوئے ہیں۔ صورت حال اس قدر انتشار کا شکار ہوئی کہ ہر متنازع مسئلہ پر اجماع کا دعوی ہونے لگا۔۔[5] کہتے ہیں۔

"مجموعی طور پر سنی فکر آئمہ اربعہ کی نسبت چار مختلف خیموں میں منقسم ہے"۔[6]

جبکہ ابتدائی صدیوں میں ہماری کامیابی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ہم آفاقی تصور حیات کے حامل تھے۔[7]

لیکن اب تو صورتحال یہ ہے کہ چار فقہوں سے پانچویں فقہ بھی ناقابل برداشت ہے۔ ہمارے کبار مفکرین باوجود خواہش کے چار فقہی دائروں سے نکلنے کی جرءت نہ کر سکے۔ لکھتے ہیں

"اجتہاد فی الفروع یا اجتہاد فی المذہب کے دروازے تو یقینا کھلے رہے البتہ اجتہاد فی الاصول یا اجتہاد مطلق کے لئے اتنی سخت شرائط عائد کر دی گئی کہ ان پر کسی عام گوشت پوست کے انسان کا پورا اترنا ممکن نہ رہا"۔[8]

ہر ایک اپنے مسلک کی شناخت سے وابستہ ہے۔ غیر ضروری بوجھ خود پر سوار کر لیا گیا ہے۔ جب ان فرقوں کا ظہور نہ تھا مسلمانوں کے مابین اختلاف تب بھی ہوتا تھا مگر اس کی بنیاد پر کوئی مستقل فکر وجود میں نہ آئی تھی۔ وامرھم شوری بینھم کے تحت مسائل کو حل کر لیا جاتا تھا۔ ان فرقہ بندیوں سے فرقہ واریت وجود میں آئی۔ ہر ایک خود کو فرقہ ناجیہ اور دوسرے کو فرقہ ضالہ سمجھنے لگا۔ وہ امت جسے حبل اللہ تھامنے کی تاکید تھی وہ انتشار کا شکار ہو گئی۔ ان کے نزدیک فرقہ واریت کی بنیادی وجہ یہ مذاہب اربعہ ہیں۔[9]

ان کے بقول اسلام کے ابتدائی ایام میں امام ابو حنیفہ، امام جعفر صادق، امام شافعی وغیر ھم جیسے افراد کی ایک فہرست ہمیں ملتی ہے۔ اسلامی تہذیب نے فقہ کے میدان میں صرف چار جلیل القدر افراد پیدا نہیں کئے بلکہ اسی درجے کے کوئی چھتیس، سینتیس لوگوں کا بیان ہمیں تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ ان میں سے بعض فقہاء کو نسبتاً زیادہ حمایتِ زماں و مکاں اور ریاستی سرپرستی میسر آ گئی، بعض کی کتابیں تاریخ کی نذر ہو گئیں اور بعض کی شہرت مسلسل پھیلتی رہی۔ ان میں سے صرف چار کو ائمہ اربعہ قرار دینا اور بقیہ کے علمی سرمائے کو نظر انداز کر دینا نہ تو تاریخ کے ساتھ انصاف ہے اور نہ ہی علم کے ساتھ۔ رسول اکرم ﷺ نے جب حجۃ الوداع میں امت سے الوداعی خطاب کیا تھا تب یہ آسمانی بشارت بھی آ گئی تھی کہ اب دین کامل ہو چکا۔ وہ بنیادیں جن پر اس دین کو قائم کیا گیا ہے پایہء تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ کتاب وسنّت کی تلقین کے ساتھ اس خطبے میں نہ تو کہیں خلفائے اربعہ کے عقیدے کی بات تھی اور نہ ہی فقہائے اربعہ کی تقلید کی تلقین اور نہ ہی ائمہ اثنا عشر کی طرف کوئی اشارہ۔ پھر ان باتوں کو دین میں عقیدے کی سی اہمیت دے کر ہم نے اختلافات کی دیواریں کیوں کھڑی کر رکھی ہیں؟ اسی طرح آج جو علمائے کرام قاسمیت، وہابیت یا بریلویت کی حمایت میں اپنا زور صرف کر رہے ہیں یا جو حضرات اپنی اپنی جماعتوں کے شیوخ کو سب سے بڑا خادمِ اسلام باور کرانے پر مصر ہیں یا جنہیں اس بات پر اصرار ہے کہ اس ملک میں ان کی محبوب جماعت یا محبوب شخصیت کے دم سے ہی اسلام قائم ہے، انہیں یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ عہدِ جدید کے سامریوں کی سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔ انہیں نہ تو ان ورثوں اور ان جماعتوں کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا اور نہ ہی فیصلے کے دن ان سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کو دوسرے مذہب سے افضل ثابت کیا یا نہیں۔ حلقہء دیوبند کے علماء کی برتری دوسرے طبقہء علماء پر ثابت کی یا نہیں۔ آخر دوسرے ائمہ فقہ اور خادمینِ اسلام نے آپ کا کیا بگاڑا ہے کہ آپ اپنی ساری توانائی اپنی پسندیدہ شخصیات کے مقابلے میں ان کو کمتر ثابت کرنے میں جھونکے دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں امت کی مختلف جماعتوں، فقہی مسالک بشمول شیعہ اور سنّی کو، اس عہد میں لوٹنا ہو گا جہاں ہماری اجتماعی تاریخ ایک نکتہ پر مرکوز ہو جاتی ہے، اور وہ ہے عہدِ رسول ﷺ۔ ہمیں اپنی اصل حیثیت کو

پہچاننا ہو گا کہ ہم کوئی اور نہیں بلکہ وارثینِ نبوت ہیں۔ ہمارے لئے تو صرف اور صرف ایک ہی کام تجویز کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اپنے محبوب رسول کے نائب کی حیثیت سے اس کے پیغام کو اس عہد میں برتنے اور اسے دنیا کے دوسرے ادیان پر غالب کرنے کی کوشش کریں۔ ہم سے پہلے جن لوگوں نے اس دینِ مبین کی خدمت کی اس کا اجر ان کے رب کے پاس محفوظ ہے۔[10] علمائے دیوبند ہوں یا مشائخ بریلی یہ بھی ہماری ہی طرح خادمینِ اسلام تھے 'ھم رجال و نحن رجال'۔ ہمیں یہ کب زیب دیتا ہے کہ ہم نائبینِ رسول کارِ نبوت چھوڑ کر اپنے ہی جیسے انسانوں کی برتری اور عظمت ثابت کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔[11]

یہ اعتراض مناسب نہیں اس لئے کہ انھی مباحث اور urgumentatiin سے ہی تو اسلامی علوم میں وسعت آئی اور اسی تسلسل کی بنیاد پر یہ علوم survive کر سکے۔ اب اگر کچھ ائمہ کو سرکاری وسائل کی بنیاد پر زیادہ فروغ ملا اور زیادہ شاگرد میسر آئے (اگرچہ اس میں بھی جبر سے بالکل کام نہیں لیا گیا) اور بعض دیگر ائمہ سرکاری وسائل یا شاگرد نہ ملنے پر علمی دنیا میں اپنے پیروکار نہ بنا سکے۔ ایک تو اس سے ان ائمہ کہ نالائقی کس نے ثابت کی ہے دوسرا یہ اعتراض آپ کا تب بھی ہوتا اگر یہی سرکاری وسائل ان ائمہ کو ملتے۔ تب آپ کہتے کہ امام ابو حنیفہ اتنا بڑا فقیہ تھا مگر امام اوزاعی کو چیف جسٹس کو بنایا گیا اس لئے امت امام ابو حنیفہ کے علوم سے محروم رہی۔ اب امت کا بیشتر حصہ امام ابو حنیفہ کے علوم سے استفادہ کر رہی ہے تو امام اوزاعی و دیگر ائمہ کے حق میں اعتراض کرنے لگے۔

مسلم ذہن کی تشکیل نو

اپنی کتاب کے چھٹے باب کے تحت لکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی کا فقدان اور مغرب سے مرغوب ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مغرب ان کے خلاف برسرپیکار ہے۔ بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دانشوروں نے اس ورثے کے دروازے خود پر بند کر دیے ہیں جس کے یہ امین تھے۔ اب تو صورتحال یہ ہے کہ آج دماغ کے استعمال کی ہر دعوت انہیں مذہب کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ آج یہ صورتحال تقریباً عقیدے کی صورت اختیار کر چکی ہے کہ متقدمین نے غور و فکر کا سارا کام کر ڈالا ہے۔ شاز صاحب اپنی اس بات پر بطور حوالہ مولانا اشرف علی تھانوی کا قول نقل کرتے ہیں۔

'متقدمین کے اصول و قواعد اس حد تک کافی وشافی ہیں کہ قیامت تک کوئی ایسا مسئلہ پیش نہیں آسکتا جس کا جواز یا عدم جواز حتیٰ کہ جزئیات میں بھی ان اصولوں سے نہ نکلتا ہو"۔[12]

ان کے بقول صدیوں سے امت مسلمہ زمانہ جاہلیت کی کیفیت کا شکار ہے جیسے قرآن نے کہا

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ[13] وہ کہنے لگے ہم نے اپنے آباؤاجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے۔

ان کے مطابق اب رجوع الی القرآن محض نعرہ رہ گیا اب ہر معاملہ میں متقدمین پر انحصار کرتے ہیں۔[14]
شاز صاحب کا یہ رجحان قرآن کی واضح نص کے خلاف ہے کیونکہ قرآن پاک نے جو اسلاف کے پیچھے چلنے سے منع کیا وہ باطل پر چلنا ہے۔ جبکہ اپنے ہدایت یافتہ بڑوں کے پیچھے چلنے کو تو پسند فرمایا ہے سورۃ فاتحہ میں ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے اپنے اسلاف کے پیچھے چلنے کی دعا کرتے ہیں۔ اور واضح فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ۔[15] **یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی ان کی اتباع کرنے میں ہی ہدایت ہے**
شاہ صاحب اپنے اس نظریے میں اس قدر متشدد ہو گئے کہ واضح نصوص کو نظر انداز کر دیا اور سابقہ سب محنت کو نظر انداز کرنا کامیابی کی ضمانت قرار دیا۔

تمام فقہی مذاہب کو مسترد کر کے فقہ اسلامی کی تشکیل نو

راشد شاز کا رجحان یہ ہے کہ تمام فقہی مذاہب کو مسترد کر دیا جائے اور نئے سرے سے قرآن کی تشریح و تفسیر کر کے جدید حالات کے مطابق دین کی تشکیل نو کی جائے۔ لکھتے ہیں۔

"جدید مصلحین کو ابتدا ہی سے اس بات کا التزام کرنا ہو گا کہ وہ تاریخی اسلام اور نظری اسلام میں نہ صرف یہ کہ امتیاز کریں بلکہ مطالعہ قرآنی میں ایک ایسے منہج کی داغ بیل ڈالیں جس کے ذریعے انسانی تعبیرات اور التباسات کے پردوں کا چاک کیا جانا ممکن ہو۔ اور یہ جب ہی ممکن ہے جب ہر مسئلہ کو از سر نو تحقیق و تجربہ کا موضوع بنایا جائے اور ہر مسئلہ پر قرآنی دائرۂ فکر میں از سر نو گفتگو کا آغاز ہو۔ یقین جانئے، اگر ہم قرآنِ مجید کو حکم مانتے ہوئے اپنے تہذیبی اور علمی ورثے کا ناقدانہ جائزہ لینے کی جرات پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم خود کو فکری طور پر نزولِ وحی کے ان ایام میں پائیں گے جب وحی کی ضیاپاشیاں ہمارے قلب و نظر کو منور اور ہمارے ملی وجود کو طمانیت سے سرشار رکھتی تھیں۔"[16]

حجیت سنت وحدیث کا انکار

راشد شاز کہتے ہیں کہ جو لوگ سنت کے نام پر کتب احادیث کے مجموعہ پر ایمان لائے وہ حدیث کے راویوں کو بمنزلہ جبریل سمجھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اس روایتی فقہ کے خلاف تاریخ میں علم بغاوت بلند ہوتا رہا ہے۔ ان میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔ اس لئے روایتی فقہاء ان کو بحیثیت فقیہ تسلیم کرنے پر کم آمادہ ہوتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور عبدالوھاب اگر موجدین کی حیثیت سے اپنے مشن میں ناکام ہیں تو بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ مروجہ منہج فقہ کی نکیر کے باوجود اجماع اور روایتوں کے حصار کو عبور کرنے کا یارا نہیں رکھتے۔[17] سنت کی حیثیت تشریحی اور تعبیری ہے اور اس کو اسی حد تک رکھا جائے۔ سنت اور حدیث اور اسوہ الگ الگ چیزیں تھی۔ انہیں خلط ملط کر دیا گیا۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ ان کی حیثیت تشریحی سے بڑھ کر تشریعی ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب روایات کو اگر فقہ کی بیساکھی نہ ملتی تو یہ متضاد روایات تاریخ میں معدوم ہو چکی ہوتیں۔ ان کے بقول خلفائے راشدین کے عہد میں

بھی آثار اخبار کو کوئی تشریعی اہمیت حاصل نہ تھی۔ سنت کا بمعنی حدیث کو فی نفسہ تشریعی ماخذ قرار دینے سے اتباع قرآن سے کہیں زیادہ تنسیخ قرآن کی راہ ہموار ہوئی ہے۔[18]

راشد شاز کہتے ہیں کہ اجتہاد سے نتائج بھی مرتب ہو سکتے ہیں۔ جب وہ تاریخ کے مختلف ادوار کی فکری التباسات کو رد کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ اگر یہ ہمت نہیں ہے تو سلف صالحین اور فقہاء متقدمین کے دعووں کو چیلنج کیا جا سکے تو وہ اجتہاد نئے نتائج نہیں پیدا کر سکتا اگر کوئی یہ سمجھنے کے روایتی فقہ کے اصول اربعہ کے ایک جز کی حیثیت سے متحرک کردار ادا کرے تو یہ اس کا مغالطہ ہے۔ اگر واقعی اجتہاد کرنا ہے تو براہ راست قرآن و وحی سے راہ کو منور کرے ایسے لوگوں کو اپنے تصور اجتہاد پر اجتہادی نگاہ ڈالنے کی ضرورت ہے [19] ان کے بقول ابن حزم سے ہمارے عہد تک تحریک اجتہاد نے مختلف مراحل طے کئے ہیں۔ منجمد فقہی روایت کے انکار سے لے کر آج یہ سفر ایک نئی تدوین فقہ کی دعوت سے عبارت ہے۔ البتہ اب تک ہمارے علماء اس خیال کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ فقہ کی ایک نئی تدوین اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب ہم قدیم فقہی رویے سے لازماً دست کش ہونے کے لئے تیار ہوں۔ گویا مروجہ فقہی فکر کا ڈی کنسٹرکشن اس راہ کی پہلی منزل ہے، یہ فی نفسہ ایک پیراڈائم شفٹ کا طالب ہے۔ جب تک وحی پر فقہی چوکھٹے سے باہر آکر غور و فکر کی بنیاد نہیں ڈالی جاتی ایک نئی ابتداء مشکل ہی نہیں امر محال ہے۔ افسوس کہ ہمارے مجتہدین جو شعوری طور پر اجتہاد کی پر زور وکالت کرتے ہیں، جذباتی طور پر کسی ایسے عمل کی ابتداء کے لئے اقدام سے گریزاں نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک اجتہاد اپنی تمام تر کاوشوں کے باوجود فقہی فکر میں ایک اصلاحی تحریک بن کر رہ گئی ہے۔[20]

راشد شاز کے مطابق اس سب سے نکلنے کے لئے ایک فکری دھماکے کی ضرورت ہے۔ وہ فقہاء اور محدثین کی کاوشوں کو انفرادی کاوش قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کام پر منجانب اللہ مامور نہ تھے تو اس لئے ہمیں بھی فکری طور پر آزادی ہونی چاہیے۔[21]

قرآن مجید کو فقہی، شرعی یا مولویانہ انداز سے پڑھنے والوں نے کوئی پانچ سو آیات کو آیات احکام کی حیثیت سے اپنے غور و فکر کا مستحق سمجھا تھا۔ اس طرف لوگوں کی توجہ کم ہی گئی کہ یہ علوم جو بنیادی طور پر پانچ سو آیات کو اپنی توجہ کا مستحق سمجھتے تھے اس نے وہی ربانی کے ایک بہت بڑے حصے کو عملی طور پر علوم شرعی کے دائرے سے باہر کر رکھا تھا آیات اللہ فی الکون کے مطالعے اور مشاہدے کا علوم شرعی کے دائرے سے باہر ہو جانا ایک بحرانی عہد کی اجتہادی اور تعبیری لغزش تھی۔ جس نے آنے والی صدیوں میں امت کو تحقیق و اکتشاف کے عمل سے دور کر دیا۔ آیت احکام کے علاوہ قرآن مجید کے ایک بڑے حصے کو عملی طور پر منجمد کئے جانے کے نتیجے میں آج ہم من

حیث الامہ منصب سیادت سے معزول ہو گئے ہیں۔[22]ضرورت اس بات کی ہے کہ ان انفرادی التباسات فکری کا محاکمہ کیا جائے جن کی وجہ سے علوم کا ارتقاء بے بنیاد بن گیا اور بالکل نئے خطوط پر از سر نو تعمیر نو قرآنی تصور حیات کے مطابق ایک نئی علمی تحریک کی بنیاد ڈالی جائے۔

قرآن مجید رہتی دنیا تک کے لئے کتابِ ہدایت ہے۔ قرآن مجید کا یہ دعویٰ کہ وہ کتابِ مفصّل ہے، کسی لمبی چوڑی تشریح و تعبیر کے امکان کی نفی کرتا ہے۔ خدا جو قادرِ مطلق ہے وہ یقیناً بندوں کے مقابلے میں اظہار پر کہیں زیادہ قادر ہے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ فہمِ قرآن میں تفسیری اور تعبیری ادب کو کلیدی اہمیت کا حامل سمجھا جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شانِ نزول کی غیر معتبر روایتوں میں وحی کے مطالب کو مقید کرنے کے بجائے قرآن مجید کو عصرِ حاضر کی وحی کے طور پر پڑھا جائے۔ "بیان للناس" کا قرآنی دعویٰ ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اسے کتابِ ہدایت کی حیثیت سے پڑھنے اور برتنے کا حوصلہ پیدا کرے۔ ایسا کرنا قرآن کی بنیاد پر ایک ہمہ گیر عوامی تحریک کو جنم دینے کا موجب ہو گا۔[23]

جبکہ یہ سب نظریات حقیقت کے منافی ہیں قران کی بہت سی آیات تاریخی پس منظر جانے بغیر نہیں سمجھی جاسکتیں۔ تو ان کو شانِ نزول کے بغیر کیسے سمجھا جائے؟

راشد شاز کے مطابق دین کا فقہ میں تبدیل ہو جانا بڑی حد تک غایت دین کی نفی سے عبارت ہے ائمہ اربعہ نے دین میں قرآن کے علاوہ ماخذ تسلیم کرکے ان کو مستقل حیثیت دے دی۔ نتیجتاً بہت سی کتب فقہ وجود میں آگئیں۔ ہر فرقہ کی فقہ دوسرے سے متصادم تھی۔ جبکہ ایک ہی فقیہ کے مختلف اقوال آنا شروع ہو گئے۔ پھر رفتہ رفتہ مسلمانوں کا وحی سے نہ صرف تعلق منقطع ہوا بلکہ استنباطی اور استخراجی وحی کے نام پر انہیں ذہنی انتشار سے دوچار ہونا پڑا۔[24]پہلے لوگ مجتہد فی الدین تھے تو بعد والوں نے مجتہد فی المذہب ہونا کافی سمجھا۔ مجتہد کے لئے لئے کتاب و سنت کے علم کے بجائے فقہ کی بعض کتابیں ازبر کر لینا کافی سمجھا گیا۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

من حفظ المبسوط كان مجتهداای وان لم تكن له علم برواية اصلا ولا بحديث واحد[25]

جس شخص نے مبسوط حفظ کر لی وہ مجتہد بن گیا۔ خواہ اسے روایت کا علم نہ ہو اور نہ حدیث سے واقفیت ہو۔ یہ ایسی ہی غلط فہمی ہے جیسے ابتدائی محدثین کو تھی کہ تین یا پانچ لاکھ روایتوں کا علم فتوی کے جواز کے لئے کافی ہے۔ پھر یہ خیال رائج ہو گیا کہ دینی رہنمائی کے لئے فقہ کا مطالعہ کافی ہے۔ بعض فقہاء نے تو فقہ کو کتاب اللہ کے ہم پلہ قرار دیا۔ آثار وروایات کے تاریخی مآخذ کے ساتھ علماء اسلام کی تعبیرات اور ان کے استنباط کو بھی اضافی ماخذ کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔ لہذا اجماع اور قیاس کے نام سے فقہ کے دو اضافی ماخذ کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ ساتھ اسوہ

صحابہ کو یکساں معتبر قرار دیا گیا ضعیف احادیث کا سہارا لیا گیا۔ شارحین اسلام نے ایک گڑبڑ یہ بھی کی کہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک دیکھی اس کو صحابیت کے منصب جلیل پر فائز کر دیا۔[26]

راشد شاز کے نزدیک یہ وہ سب بنیادیں ہیں جن کی وجہ سے وحی سے دوری ہوتی چلی گئی اور امت زوال کا شکار ہوتی چلی گئی۔ راشد شاز صاحب نے انتہائی کمزور طرز اپنایا کہ جس کا جواب ہر فقہ کو جاننے والا دے سکتا ہے۔ مثلا لکھتے ہیں

"احناف کے نزدیک اگر کسی بارے میں صاحبین یوسف محمد اور ابو حنیفہ کے اقوال باہم مختلف ہوں تو فتویٰ ابو حنیفہ کے قول پر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ دوسرے کی دلیل قوی ہو اس کے بعد ابو یوسف کے قول پر بھی محمد کے قول پر اور پھر حسن بن زیاد کے قول پر۔[27]

یہ انتہائی سطحی بات ہے ایسا نہیں ہوتا بلکہ فتوی دیتے ہوئے ان کے اقوال میں جو سب سے زیادہ دلائل اور حالات و زمانہ کے اعتبار سے قریب تر ہو اس پر فتوی دیا جاتا ہے۔

اجماع کا انکار

راشد صاحب اجماع کو سرے سے ماخذ شریعت ماننے کو تیار ہی نہیں۔۔ اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

"نئے مصلحین کو اس بات کا التزام بھی کرنا ہو گا کہ وہ وحی ربانی کے مقابلہ میں صدیوں کے متوارث عمل کو' خواہ اس پر مفروضہ اجماع کی مہر ہی کیوں نہ لگ گئی ہو' از سر نو تحلیل و تجزیے کا موضوع بنائیں۔ اب یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا کہ کسی مخصوص مسئلے پر فلاں فلاں فقہاء اور آئمہ کی کتابوں میں یوں لکھا ہے یا یہ کہ فلاں مسئلہ پر امت کا اجماع ہو چکا ہے جسے از سر نو بحث کی میز پر نہیں لایا جاسکتا۔ خدا کے علاوہ انسانوں کے کسی گروہ کو اس بات کا اختیار نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اجماع کی دھونس دے کر یا اہل حل و عقد کے حوالے سے ہمیں کسی مسئلہ پر تحلیل و تجزیے سے باز رکھے۔"[28]

راشد شاز اپنے اس نظریے میں اجماع کا انکار کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے اس رجحان سے اجماع کی اہمیت ختم ہوتی دکھائی دیتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک متشددانہ سوچ و فکر کے حامل ہیں

راشد شاز دینی مدارس کے نصاب پر تنقید کرتے ہیں کہ اس نظام کا تبدیل ہونا لازم ہے۔ موجودہ نصاب صدیوں پہلے پرانا ہو چکا ہے ان کتب میں بیان کئے گئے مسائل اور بیان کی گئی تفریعات اب تبدیل ہو چکی ہیں۔ ان کے بقول مغرب کے تعلیمی ادارے ارتقائی مراحل سے گزر کر آج فکری اور عملی سیادت میں کلیدی مقام حاصل کر چکے ہیں۔ اس کے برعکس ازہر، زیتونیہ اور دیوبند ارتقائی عمل سے یکسر خالی ہیں یہی وجہ ہے کہ دین کا مکمل تصور ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ نئے علماء کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ نئے پیش آنے والے مسائل میں قدماء

کے اقوال ہی تلاش کریں۔[29] کہتے ہیں ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ قدماء کی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی دماغ کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ جس کا کام غور و فکر کرنا ہے اس کو استعمال میں نہ لانا کفران نعمت بلکہ بغاوت ہے۔ دل و دماغ کو حرکت دے کر ہی ہم وحی ربانی کی تجلیوں کے نور سے منور ہوں گے۔[30] ان کے بقول آج صورتحال یہ ہے کہ وحی ربانی کے بجائے ابتدائی تین نسلوں کے فہم کو حتمی قرار دے دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری مذہبی و اجتماعی زندگی creative originality سے محروم ہو گئی۔ جب کہ قرآن کے علاوہ انسانی تعبیرات اور ثانوی ماخذ میں یہ قوت ہے ہی نہیں کہ جو زبان و مکاں کی تبدیلی میں کافی ہو۔[31]

لکھتے ہیں۔

"ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم قدماء کے ذہن سے نئی دنیا کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ بھلا جو لوگ صدیوں پہلے ایک بالکل ہی مختلف ماحول میں زندگی جیتے رہے۔ جنھیں اکیسویں صدی کی زندگی کا کچھ تجربہ نہ تھا انہیں دنیا کی قیادت پر مامور کرنا ان کے اوپر بھی ظلم ہے اور ہمارے لئے بھی۔ اس کے نتائج تباہ کن ہی ہو سکتے ہیں"۔[32] ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کو اکیسویں صدی کی کتاب ہدایت کے طور پر پڑھیں۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو خود تو عہد صدیقی و عہد فاروقی کی طرح ایسے اسلام میں جلوہ گر جائیں گے کہ جہاں راستہ بند نہ ہو گا۔ جو لوگ اکیسویں صدی میں ساتویں صدی کے اصول مقرر کریں انہیں چاہیے کہ اکیسویں صدی میں ساتویں میں صدی کا ماحول فراہم کریں۔[33]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاز صاحب کس قدر جدت پسندی کا شکار ہیں کہ قرآن پاک کے علاوہ ما قبل سب کی نفی کے قائل ہیں اور اس کو ایک نئے عہد کی بنیاد قرار دے رہے ہیں جبکہ یہ بات روشنیوں کے بجائے مزید اندھیروں میں دھکیلنے کے مترادف ہو گی۔

اجماع کو ماخذ فقہ قرار دینے کی بھی راشد شاز نے شدید مخالفت کی ہے۔ اجماع کے حوالے سے جن آیات کا سہارا لیا گیا ہے شاہ صاحب اس استدلال کو غلط استدلال قرار دیتے ہیں اور جن احادیث و آثار کا سہارا لیا گیا ہے ان کو متنازع قرار دیتے ہیں۔ اجماع کو دلیل شرع ماننے سے امت میں فکری التباسات کو داخلہ مل گیا اور پھر جانچ پرکھ روک دی گئی تو اس میں انسیت پیدا ہوتی گئی۔[34]

اجماع کے انکار کے حوالہ سے شاز صاحب کی باتیں ان دلائل کے سامنے جو اجماع کے حق میں پیش کئے گئے ہیں انتہائی سطحی نوعیت کے ہیں اور کم معلومات یا شدت پسندانہ سوچ کی وجہ سے ہیں۔ جبکہ انہوں نے قیاسی مسائل کو بھی خود ہی اجماع میں داخل کر دیا۔ پھر ان پر اعتراض وارد کر دیئے۔ جب کہ فقہاء کے ہاں ہر قول اجماع نہیں بنتا بلکہ اس کے لئے کڑی شرائط ہیں اور اجماع کے مختلف درجات ہیں۔

مسئلہ اجتہاد پر ایک اجتہادی نظر

راشد شاز صاحب کے نزدیک زوال سے نکلنے کے لئے سب سے زیادہ جس چیز سے توقع ہے وہ اجتہاد ہے۔اس اجتہاد کے عمل کو جاری کر دیا جائے تو امت میں زندگی کی نئی رمق پیدا ہو جائے گی۔ اجتہاد کے بند دروازوں کو کھولنا امت کے لئے تقلیب فکر و نظر کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔گزشتہ دو صدیوں سے اجتہاد کے دروازے کھولنے کے لئے تحریکیں زور وشور سے جاری ہیں۔مگر یہ دروازہ ابھی بندش کا شکار ہے اس لئے ضرورت امر کی ہے کہ مروجہ تصورات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تب پتا چلے گا کہ مسئلہ کہاں ہے۔[35] اجتہاد قیاس یارائے کی ایک شاخ ہے مگر یہ آج تک یہ پرانی آراء کا مرہون منت ہے۔نئے مجتہدین تمام تر کوششوں کے باوجود نیا ذہن بنانے میں ناکام رہے ہیں اور ابھی تک فقہ کا منہج اصول اربعہ پر قائم ہے۔ جہاں قرآن مجید کے بالمقابل احادیث اجماع اور قیاس کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔[36] لکھتے ہیں

" مروجہ اسلام جو فقہاء کے دواوین، متصوفین کے ملفوظات، مفسرین کی دلائل، تعبیرات اور محدثین کی ثقہ وغیر ثقہ معلومات کے ذریعے تشکیل پایا ہے اس نے آفاقی پیغمبرانہ پیغام کا قالب بڑی حد تک بدل کرر کھ دیا ہے"۔[37]

جبکہ شریعت کو سمجھنے کے لئے اسلاف پر اعتماد ناگزیر ہے. ان میں سے ہر ایک کی تقلید کا وہی حکم ہے جو دوسرے کی تقلید کا ہے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ایک کی تقلید جائز دوسرے کی ناجائز ہے غرض کتاب وسنت کے اعتبار سے ائمہ مجتہدین کے درمیان کوئی فرق نہیں البتہ ائمہ اربعہ کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان کے علاوہ دیگر حضرات کے فقہی مذاہب مدون شکل میں محفوظ نہیں رہ سکے،اگر ان حضرات کے مذاہب بھی اسی طرح مدون ہوتے جس طرح ائمہ اربعہ کے مذاہب مدون ہوئے ،تو بلاشبہ ان میں سے کسی کو بھی تقلید کے لئے اختیار کیا جا سکتا تھا لیکن نہ تو ان حضرات کے مذاہب کی مفصل کتابیں مدون ہیں اور ان مذاہب کے علماء پائے جاتے ہیں،اس لئے اب ان کی تقلید کی کوئی سبیل نہیں۔

قیاس کی مخالفت

قیاس کی مخالفت کرتے ہوئے شاز صاحب کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فقہی اختلافات کو ہوا دینے اور فکری التباسات کو مقدس بنانے میں قیاس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ جبکہ قیاس کے جاننے والوں میں بھی قیاس کے حوالے سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ابتدا میں قیاس محض اصل سے فرع میں حکم منتقل کرنے کا نام تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا درجہ بلند ہوتا گیا جس کی وجہ سے فقہی جدال کا بازار گرم ہو گیا۔اس قیاس میں بھی شاز صاحب نے مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے جبکہ اس قیاس کا الگ الگ ہونا کوئی خامی نہ تھی کیونکہ قیاس اجتہاد کی ہی ایک قسم ہے اور ذہنی تفاوت کی وجہ سے اجتہاد مختلف ہو سکتا ہے مگر شاہ صاحب نے اس خوبی کو ہی خامی میں تبدیل کر دیا۔[38]

حاصل کلام

جدت پسندانہ اور ماڈرن رجحانات میں تنقید برائے تنقید سے کام لیا گیا ہے۔ جن تمام اصولوں کا اور ماخذ کا انکار کیا گیا ہے۔ اس کا متبادل پیش کرنے سے ان نظریات کے حامل افراد قاصر نظر آتے ہیں۔ جبکہ انھوں نے تمام معاملات عقل کے سپرد کر دیئے ہیں۔ حالانکہ تمام امور شرعیہ عقل کے حوالے نہیں کئے جاسکتے۔ عقل کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے مگر عقل وحی سے اوپر کا درجہ ہر گز نہیں ہو سکتی۔ اس لئے عقل سے کام وحی الٰہی کے تابع کر کے لیا جائے۔ اس کو مکمل آزاد چھوڑ دینا نقصان دہ ہے۔

راشد شاز کا جدت پسندانہ رجحان ما قبل بیان کئے گئے جدت پسندانہ رجحانات کے مقابلے میں بالکل واضح ہے کہ وہ فقہ کو دین کے منافی قرار دیتے ہیں اور پھر تقریباً معاملہ میں اپنی الگ رائے رکھتے ہیں۔ صدیوں سے امت جن چیزوں پر محنت کر رہی ہے اس کو چھوڑ کر صرف قرآنی الفاظ سے سارے معاملات حل کرنے کے قائل ہیں۔ ان میں بھی ان کی رائے شان نزول اور مفسرین کی تفاسیر اور تعبیرات کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث، سنت اور آثار کی اہمیت کے انکاری ہیں۔ صحابہ کرام جیسی مقدس شخصیات کے بارے میں نظریہ بھی مختلف ہے وہ ہر اس صحابی کو صحابی قرار نہیں دیتے جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہو۔ اس کے لئے شرائط مقرر کرتے ہیں ۔ اجماع امت کی اپنی طرف سے وضاحت کر کے اس کا انکار کرتے ہیں اس پورے مطالعے کے دوران شاز صاحب کے کام کو اجتہاد تو بہر حال نہیں کہا جاسکتا یہ الحاد ہے اور نظریات ملحدانہ نظریات ہیں۔ جن کی امت متحمل نہیں ہو سکتی۔ ہر ثابت شدہ امر کو متنازع بنانا کسی صورت دین اسلام کی خدمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ دین اسلام کی قدیم تمام دیواروں کو ڈھا کر نئی تعمیر مکمل طور پر نئے مجددین یا مجتہدین کے حوالہ کرنا ایک بھیانک خواب ہی ہو سکتا ہے کہ جس میں اپنے سے ما قبل سب کو گمراہ قرار دیا جائے نعوذ باللہ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنے اسلاف و صحابہ کرام کے علم و تقویٰ کے عشر عشیر تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فقہ اسلامی میں اجتہاد و تجدید کے دروازے ہمیشہ کھلے رہے ہیں۔ مجتہدین کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے ایسے اصول و قواعد متعین کر دیئے کہ جن کی روشنی میں ہر جدید مسئلہ کا حل ممکن ہے یہ جدت پسند طبقات نہ تو ایسے مسائل پیش کر پائے کہ جن کا حل قدیم فقہی ذخیرے کی روشنی میں ممکن مرحل نہیں اور نہ کوئی ایسا حل پیش کیا کہ جن کے ہوتے ہوئے قدیم فقہی اصولوں کی کوئی ضرورت نہ رہی ہو۔

نئے رجحانات کا حامل جدت پسند طبقہ اگر حقیقتاً دین اسلام کے ساتھ مخلص ہے۔ وہ اجتہاد کے لیے راہیں ہموار کرنا چاہتا ہے تو انہیں خود کو شریعت کا پابند بننا ہو گا۔ دل و دماغ میں اس بات کو جگہ دینا ہو گی کہ جن احکام میں

اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حتمی فیصلہ فرمادیا اس میں مسلمان کو عقلمندی اور خردمندی مان لینے میں، تصدیق و تسلیم کر لینے میں ہی ہے۔ ان کے خلاف عمل درآمد کرنے میں مومن ہرگز آزاد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار کی سیرت اقوال کو مکمل طور پر ترک کر کے حق اور حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

حوالہ جات

1. http://alsharia.org/2007/feb/tajaddud-pasandana-rujhanaat-hafiz-samiullah-fraz

[2] راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید** (نئی دہلی: ملی پبلی کیشنز-25، 2008ء)، 114،115

[3] راشد شاز، **اسلام میں فقہ کا صحیح مقام** (نئی دہلی: ملی پبلی کیشنز-25، 2012ء)، 30

[4] -النجم 53:4،3۔

[5] ۔راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 60،61۔

[6] ۔راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 65۔

[7] ۔راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 67۔

[8] -راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 72۔

[9] -راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 97-99۔

[10] -البقرۃ 2:134

[11] -راشد شاز، **غلبہء اسلام**، 185

[12] -اشرف علی تھانوی, اشرف الجواب، 2:312

[13] -الشعراء 26:74۔

[14] -راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 60،61۔

[15] -الانعام 6:90۔

[16] -سہ ماہی 'اجتہاد': ستمبر ۲۰۰۸ء، ۴۷۔

[17] -راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید** (نئی دہلی: ملی پبلی کیشنز-25، 2008ء)، 116

[18] -راشد شاز، **اسلام میں فقہ کا صحیح مقام** (نئی دہلی: ملی پبلی کیشنز-25، 2012ء)، 44-47

[19] -راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 119

[20] -راشد شاز، **ادراک زوال امت** (نئی دہلی: ملی پبلی کیشنز، 2018ء) 1:353

[21] -راشد شاز، **اسلام: مسلم ذہن کی تشکیل جدید**، 134۔

[22] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،135۔

[23] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،195۔

[24] -راشد شاز، **اسلام میں فقہ کا صحیح مقام**(نئی دہلی: ملی پبلی کیشنز-25،2012ء)،-۔16

[25] -شاہ ولی اللہ، **حجۃ اللہ البالغہ** (القاہرۃ: دار الکتب الحدیث)، 321:1۔

[26] -راشد شاز، **اسلام میں فقہ کا صحیح مقام**،17-20۔

[27] -راشد شاز، **اسلام میں فقہ کا صحیح مقام**،21۔

[28] ۔سہ ماہی اجتہاد ستمبر ۲۰۰۸ء،۸۷۔

[29] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،11،10۔

[30] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،12۔

[31] ۔راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،)،19۔

[32] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،20۔

[33] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،22،21۔

[34] -راشد شاز، **اسلام میں فقہ کا صحیح مقام**،49-51۔

[35] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،112۔

[36] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،112۔

[37] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،113۔

[38] -راشد شاز، اسلام: **مسلم ذہن کی تشکیل جدید**،112۔